

سپیشل انسان!

نیویارک کا ہستیری سہری میوزیم دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کمال و سعت اور محنت سے ترتیب دیا ہوا شہر کا جسے دیکھنے کے لئے پوری دنیا سے ان گنت لوگ آتے ہیں۔ وہاں جا کر لگتا ہے کہ آپ کسی اور دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔ ایسے ایسے نوادرات اور تاریخی اشیاء جنہیں دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ جب بھی نیویارک جانے کا موقع ملتا ہے تو یہ میوزیم ضرور دیکھتا ہوں۔ اور ہر مرتبہ ایک نئے جہان حیرت سے واسطہ پڑتا ہے۔ مگر آج میں جس واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا تعلق اس عجائب گھر سے صرف اتنا ہے کہ وہاں صرف وقوع پذیر ہوا تھا۔ 1992 میں پہلی مرتبہ اس عجائب گھر میں جانے کا موقع ملا۔ تو ایک گائڈ ٹور میں شامل ہو گیا۔ ویسے یہ میری عادت کے متضاد ہے۔ کیونکہ اپنے پسندیدہ نایاب شاہ پاروں کو دیکھنے کے لئے گھنٹوں صرف کرتا ہوں۔ جبکہ گائڈ آپ سے پیسہ لے کر جلد از جلد اس ٹور کا اختتام پر پہنچا کر اپنے گھر جانا چاہتا ہے۔ یاد ہے کہ پیس میں لو میوزیم دیکھنے کے لئے چند گھنٹے نہیں کئی دن درکار ہیں۔ مگر مجبوری میں صرف ایک دن میں دیکھا پڑا۔ مشکل بات یہ ہے کہ اتنا وقت میسر نہیں ہوتا۔ خیر نیویارک کے عجائب گھر میں ایک ٹور کے ساتھ مسلک ہونا پڑا۔ کوئی دو سے تین گھنٹے کے دورانیہ کا معلوم ہوتا تھا۔ ایک حد درجہ مہذب خاتون، بڑے اعتماد سے ہر فن پارہ کے متعلق تفصیل سے بتا رہی تھی۔ ہاں۔ ایک بات اور۔ اس ٹور کی فیس کوئی دس ڈالر کے قریب تھی۔ آرام سے بارہ سے پندرہ لوگوں کا گروہ، عجائب گھر میں موجود تاریخی شہر کا روں کو دیکھ رہا تھا۔ ٹور میں ہر قومیت کے لوگ شامل تھے۔ میوزیم کے درمیان میں واقعہ بہت بڑا کیفیت تھا۔ گائڈ نے کہا کہ اس رسیلوورنٹ میں آدھا گھنٹہ قیام ہو گا۔ خیر جب اس کیفیت میں داخل ہوا تو گائڈ اتفاق سے میرے ساتھ تھی۔ رسیلوورنٹ کے عین وسط میں ایک سفید فام والدہ، بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلا رہی تھی۔ بچی جسمانی طور پر معذور تھی۔ اور اس سے خوارک چبائی نہیں جا رہی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے آدمی سے زیادہ کھانا مونہ سے باہر نکل آتا تھا۔ والدہ کے ہاتھ میں ایک نیپکن تھا۔ وہ پڑے تھمل سے باہر گرا ہوا کھانا، نیپکن سے صاف کرتی تھی۔ اور دوسرا رقمہ تیار کرنا شروع کر دیتی تھی۔ میری زبان سے بے اختیار ایک جملہ نکلا کہ یہ لڑکی تو معذور لگتی ہے۔ ایک سپیشل child she appears to be disabled child یہ جملہ بہر حال گائڈ نے ضرور سن لیا۔ گائڈ اپنے تہذیب سے مجھے کہنے لگی کہ یہ لڑکی بالکل معذور نہیں ہے۔ یہ ایک سپیشل بچی ہے۔ اسے معذور کہنا بہت زیادتی والی بات ہے۔ پھر اس نے مجھے شانتگی سے دس ڈالروپس کیے۔ کہنے لگی کہ یہ آپ نے گائڈ ٹور کے لئے جمع کروائے تھے۔ معذرت چاہتی ہوں کہ آپ کو اس فقرے کے بعد، گروپ سے علیحدہ کر رہی ہوں۔ یقین فرمائیے کہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ دراصل اندازہ ہی نہیں تھا کہ معذور انسان کو معذور کہنا، ایک تو ہیں آمیز لفظ ہے۔ اس کیلئے Special Child کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس دن سے لے کر آج تک میں نے یہ لفظی غلطی دوبارہ نہیں کی۔

اس واقعہ کو تقریباً چالیس برس ہو چکے ہیں۔ مگر یہ سبق میرے ذہن پر آج بھی نقش ہے۔ الیہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں تقریباً نصف صدی پہلے سے اب تک، معذور انسان کو سپیشل کہنے کا قطعاً رجحان نہیں ہے۔ مجھے یہ سبق مغرب نے دیا کہ وہ بچے یا بزرگ جو زندگی میں کسی بھی قدرتی وجہ سے نامکمل رہتے ہیں۔ ان کو مخاطب کرنے کا طریقہ حد درجہ رحم دلانہ ہونا چاہیے۔ معذور کا لفظ کہنا یا بولنا ایک گالی کے مترادف شمار کیا جاتا ہے۔ یہ سبق مجھے اچھی طرح از بر ہے۔ پوری دنیا میں پندرہ فیصد آبادی کسی نہ کسی طرح کی جسمانی معذوری کا شکار ہے۔ یہ الیہ تین مختلف اقسام کا ہو سکتا ہے۔ بدقتی کی انتہا دیکھیے کہ ان معذوروں میں 43 فیصد معموم نو خیز بچے اور بچیاں ہیں۔ 58 فیصد بچے اور 41 فیصد بچیاں اس مشکل کا شکار ہیں۔ حکومت پاکستان نے سپیشل افراد کے متعلق 2011ء میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ایک بین الاقوامی معاهدے پر دستخط کیے ہوئے ہیں۔ جسے پاکستان میں اس کا اندازہ لگانا حد درجہ مشکل ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ تعداد ساٹھ لاکھ کے قریب ہے۔ غور فرمائیے۔ کہ پاکستان میں سپیشل انسانوں کی تعداد، مغرب کے کئی ممالک کی مکمل آبادی سے زیادہ ہے۔ ویسے مجھے گمان ہے کہ یہ تعداد تقریباً ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ بدقتی کی انتہا دیکھیے کہ ان معذوروں میں 43 فیصد معموم نو خیز بچے اور بچیاں ہیں۔ ہمارے میں 41 فیصد بچیاں اس مشکل کا شکار ہیں۔ حکومت پاکستان نے سپیشل افراد کے متعلق 2011ء میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ایک بین الاقوامی معاهدے پر دستخط کیے ہوئے ہیں۔ جسے United Nations Convention on Rights of Persons with Disabilities کہا جاتا ہے۔ اس معہدے کی پاسداری کے لئے کئی حکومتی ادارے بھی کام کر رہے ہیں۔ این جی اوز بھی مصروف کار ہیں۔ یہ ایک قابل ستائش بات ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا سپیشل افراد کی تعداد کے مطابق حکومتی یا نجی شعبے کی کاؤنٹ، واقعی معیاری ہے۔ اس حد درجہ مشکل سوال کا جواب مکمل طور پر نہیں میں ہے۔ صوبائی اور مرکزی حکومتیں اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑا اسا کام کر رہی ہیں۔ مگر یہ حد درجہ ناکافی ہے۔ دیکھنے کو تو سرکاری سکول بھی ہیں، ٹرانسپورٹ کا معمولی سانکڑام بھی نظر آتا ہے۔ مگر یہ ادھورا سا ہے۔ بلکہ سطحی سا معلوم ہوتا ہے۔ حکومتی اقدامات سے بھی صرف نظر فرمائیے۔ سب سے پہلے تو اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے سماجی رو یہ کو پرکھیں جو عمومی طور پر سپیشل افراد کے ساتھ بر تاجاتا ہے۔ ہمارا رو یہ کسی بھی طرح کے معذوروں کی جانب، حد درجہ ظالمانہ اور عالمی ہے۔ ایسے ماں باپ بھی ہیں، جو اپنے سپیشل بچوں کی فیکھداشت حد درجہ عمدہ طریقے سے کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات اپنے مالی وسائل سے بڑھ کر کرتے ہیں۔ واضح اکثریت، سپیشل بچوں کو ایک بو جھ گردانتی ہے۔ والدین کی بات تو رہنے دیجئے۔ وہ تو پھر بھی اپنے لخت جگر کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ مگر اردو گرد کے لوگوں کا رو یہ حد درجہ ناپختہ اور نا انصافی پر بنی ہوتا ہے۔ بچپن سے شروع کیجئے۔ اگر سپیشل بچے یا بچی، عام سکول میں پڑھنے کے لئے داخل ہو جائیں تو نارمل بچے، ان کی معذوری کو از راہ مذاق ضرور استعمال کرتے ہیں۔ ان کی چھپیر بنا لی جاتی ہے۔ مزا جیہ نام دے دیجئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بچہ یا بچی چل پھر نہیں سکتے، تو انہیں، لنگا، لنگڑی یا لنگڑا کہہ کر ٹھٹھھہ لگایا جاتا ہے۔ سکول کی بات کر رہا ہوں۔ ذرا سوچئے کہ ان معموم سپیشل بچوں کے دل پر کیا گزرتی ہو گی جو اپنی کسی غلطی کے بغیر تختہ ستم بنتے رہتے ہیں۔ اب یہ نارمل بچوں کے والدین اور سکول کی انتظامیہ کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو سمجھائیں کہ سپیشل بچوں کے ساتھ حد درجہ محبت اور احسن سلوک روکھیں۔ انہیں بتائیں کہ یہ خدا کی مرضی سے ہے۔ ان کو بھی کسی مصیبت میں ڈالا جاسکتا ہے۔ مگر ہمارے ملک میں والدین اور اساتذہ بھی اس سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کرتے جو مہذب اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے تحت ہونا چاہے۔ دراصل ہمارے سماج میں شعور کی سطح اس قدر مکتر ہے کہ ہم صحیح سمت میں سوچنے اور عمل کرنے سے کافی حد تک قادر ہیں۔

یہاں میں پولیو سے معذوری کے معاملہ پر ضرور بات کروں گا۔ پولیو کی ویسین کے دو قطرے، کسی بھی معموم کو زندگی بھر کی محرومی سے محفوظ کر سکتے ہیں۔ یہ ایک بیماری ہے جس سے بچنا ہی اصل کام ہے۔ مگر ہمارے شدت پسند ظالم طبقہ، پولیو و کرز کو شہید کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ کیا یہ جہالت اور ظلم کی انتہا نہیں ہے کہ وہ سرکاری ملازم جو پولیو ویسین پلانے کے نیک اور عظیم کام کو احسن طریقے سے کرنا چاہتے ہیں۔ دہشت گرد تنظیموں کے بھیڑیے نہ انسان، ان ملازم میں پر حملے کرتے ہیں۔ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ پولیو و کرز اور ان کی حفاظت پر مامور افراد کو مارنا، سو فیصد قتل نا حق ہے۔ خدا کے حضور اس کی لازم بڑی سخت باز پرس ہو گی۔ ویسے کیا یہ قیامت نہیں۔ کہ جہاں پولیو جیسے موزی مرض سے معموم بچوں کو محفوظ رکھنا، چند علاقوں میں قابل تعزیر ہے۔ وہاں عام آدمی کی کیا بات کرنی۔ ویسے کیا عجیب مضمون لکھ رہا ہوں۔ جہاں بچپن کروڑ افراد، حیوانی سطح پر سانس لے رہے ہوں، وہاں سپیشل افراد کا کیا ذکر کروں۔ ان کے حقوق اور حفاظت کی کیا بات کروں!